Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اُردو ناولوں کے اہم دیہی کردار (1947-1960)

The Main Rural Characters of Urdu Novels (1947-1960)

* ڈاکٹر طارق مجید
اسسٹنٹ پروفیسر (اردو) گورنمنٹ اسلامیہ گریجویٹ کالج چنیوٹ

Abstract:
The main rural characters of Urdu novels are used in two ways to present the characters in the novel. One is that the novelist goes on telling about the characteristics and behavior of the characters in his own words. It is called descriptive characterization. This method is very easy for the writer, but sometimes the direct intervention of the writer in it is unpleasant for the reader. He starts to understand that the author is propagating his point of view through character description and has also come to see that such fears are not always unfounded. In such a case, he leaves the character and the story and starts looking at the author and refuses to accept any kind of impression. The second way is that the novel separates itself by leaving the actors. Now those who read, say about themselves or about each other, listen, think, understand and do. By this, they clarify their own personality. This method of characterization is called taklili and is much more difficult than the first method. In this way, the novel comes close to the drama. Therefore, in the novel, these two methods are combined and characterization is done. The first condition in character writing is that the characters are living images of life and the reader of the novel understands them as he understands his acquaintances or friends or can sympathize and hate them and the novel ends. Even after doing it, it is fun to imagine them.

Key words: *Rural, Character, Descriptive, Intervention, Unpleasant, Propagating, Sympathize*

ناول میں کرداروں کو پیش کرنے کے لیے دو طریقے کام میں لائے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ ناول نگار کرداروں کی خصوصیات اور طرز عمل کی تشریح اپنے ہی بیان سے کرتا چلا جاتا ہے۔ اسے توصیفی کردار نگاری کہتے ہیں۔ مصنف کے لیے یہ طریقہ بہت آسان ہوتا ہے لیکن اس میں بعض اوقات مصنف کی براہ راست دخل اندازی قاری کو ناگوار گزرتی ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ مصنف کرداری توضیح سے اپنے نقطۂ نظر کا پرچار کر رہا ہے اور دیکھنے میں بھی آیا ہے کہ اس قسم کے اندیشے ہمیشہ بے بنیاد بھی نہیں ہوتے۔ایسی صورت میں وہ کردار اور قصے کو چھوڑ کر مصنف کی طرف دیکھنے لگتا ہے اور کسی قسم کا تاثر قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ناول نگار کرداروں کو چھوڑ کر خود الگ ہو جاتا ہے۔ اب وہ جو کچھ اپنے اپنے متعلق یا ایک دوسرے کے متعلق کہتے، سنتے، سوچتے، سمجھتے اور کرتے دھرتے ہیں اس سے اپنی اپنی شخصیت کو واضح کرتے چلے جاتے ہیں۔ کردار نگاری کا یہ طریقہ تحلیلی کہلاتا ہے اور پہلے طریقے سے کہیں زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ اس طریقے سے ناول ڈرامے کے قریب پہنچ جاتا ہے اس لیے ناول میں ان دونوں طریقوں کو ملا جلا کر کردار نگاری کی جاتی ہے۔

کردار نگاری کے سلسلے میں پہلی شرط یہ ہے کہ کردار زندگی کے جیتے جاگتے نقشے ہوں اور ناول پڑھنے والا ان کو بالکل ویسا ہی سمجھے جیسا کہ وہ اپنے ملنے والوں یا دوستوں کو سمجھتا ہے یا ان سے ہمدردی اور نفرت کر سکتا ہے اور ناول ختم کرنے کے بعد بھی ان کا تصور کر کے مزے لیتا رہے۔ کسی ناول کا عمدہ کردار ناول پڑھنے والے کی زندگی پر اس طرح حاوی ہو جاتا ہے جس طرح کوئی زندہ آدمی۔ عموماً ناول کے واقعات فراموش ہو جاتے ہیں مگر اس کے عمدہ کردار کی یاد ہمیشہ قائم رہتی ہے۔کردار کو زندگی بخشنے کے سلسلے میں یہ ضروری ہے کہ ناول نگار کردار کی تخلیق کرے۔ کسی مؤرخ کی طرح اسے کردار کی بابت ضروری حالات کا بیان کر دینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اسے ان سب حالات کو جمع کر کے اپنی قوتِ تخیل کے ذریعے ایک نئی روح پھونک دیتا ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں جن اشخاص سے ہمارا تعلق ہوتا ہے ان کی بابت سب ہی کچھ ہم نہیں جانتے اور نہ وہ اپنی بابت سب کچھ ہم کو بتلاتے ہیں مگر ناول

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

میں کردار مکمل طور سے سمجھے اور جانے جا سکتے ہیں اگر ناول نگار ان کو اچھی طرح ظاہر کرے۔اچھے کردار ہمارے دوستوں سے زیادہ دوست، عزیزوں سے زیادہ عزیز ہو جاتے ہیں ان کی بابت ہر قسم کی باتیں ہم پر روشن ہو جاتی ہیں۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ناول نگار اپنے کردار کی ان حرکات اور صفات تک پہنچ جاتا ہے جو ان کی مکمل ہستی کا کامل خاکہ کھینچنے کے لیے ضروری ہیں اور ان ہی چیزوں کا اظہار کر کے وہ اپنے کردار کو عام زندہ لوگوں سے زیادہ زندہ بنا دیتا ہے۔ کردار کی زندگی عام زندگی نہیں ہوتی بلکہ ناول نگار کی قوتِ متخیلہ اس کو ایسی نئی زندگی بخش دیتی ہے کہ وہ عام لوگوں سے زیادہ پُرکیف و پراثر ہوجاتی ہے۔

انسانوں کی طرح کردار بھی نتائج سے اثرات قبول کرنے میں ذکی الحس یا بے حس ہوتے ہیں۔ ان میں بعض زیادہ متاثر ہوتے ہیں اور بعض کم اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو ایک شانِ بے نیازی سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور کسی قسم کا اثر قبول کرنے کو آمادہ نہیں ہوتے لیکن اس موقع پر زندگی کے آثار صرف اُنھیں کردار میں ملتے ہیں جن کی اثر پذیری یا بے نیازی ان کی افتادِ طبع سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہو، غرض زندہ کردار وہ ہوتے ہیں جو نمایاں جسمانی خصوصیت رکھتے ہوں جن کا بیان پڑھ کر ہمارے دل میں مختلف جذبات بیدار ہوں جن کی خارجی اور داخلی زندگی متصادم ہو جو اس کشمکش میں کسی ایک راہِ عمل کے انتخاب کا اختیار رکھتے ہوں اور جن کے انتخاب کے نتائج ان کی فطرت سے مناسبت رکھتے ہوں جو کردار مندرجہ بالا خصوصیات سے عاری ہوں وہ بے جان اور ناقص ہوتے ہیں۔

کردار دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو اول سے آخر تک ایک ہی حالت پر قائم رہتے ہیں اور زمانے کے نشیب و فراز سے گزرنے کے بعد بھی ان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ ایسے بے لچک کرداروں کو جامد کہتے ہیں۔ دوسری قسم کے کردار ارتقائی کہلاتے ہیں۔ یہ اپنے عمل کے نتائج سے متاثر ہوتے ہیں اور سوچ سمجھ کر اپنے طریقِ کار میں ترمیم کر لیتے ہیں۔ جس طرح زندگی کے تجربات کی روشنی میں انسان نہ صرف اپنے طرز عمل کو بدل دیتا ہے بلکہ اپنے خیالات میں بھی تبدیلی کر لیتا ہے اسی طرح ارتقائی کردار رفتہ رفتہ رنگ تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

اب ہم ناولوں کے اہم دیہی کرداروں کا تحقیقی جائزہ پیش کرتے ہیں۔ہمارا موضوع تحقیق قیام پاکستان سے لے کر 1960ء تک کے عرصے کو محیط ہے اس لیے ہم نے اہم دیہاتی ناولوں کو منتخب کیا ہے۔ اس عرصہ میں دیہاتی موضوع پر بہت کم ناول لکھے گئے۔ زیادہ تر ہجرت اور فسادات وغیرہ کے موضوع پر ناول نگاروں نے اپنی نظر مرکوز رکھی۔ ہم نے جو ناول منتخب کیے ان میں "خونِ جگر ہونے تک، گوندنی والا تکیہ، پنجر، ایک چادر میلی سی، رقصِ ابلیس، یا خدا شہر ہوئے دیوانے، غدار، کمزوری، سڑک واپس جاتی ہے اور پندرہ اگست شامل ہیں۔

اب ہم مذکورہ بالا ناولوں میں سے دیہی کرداروں کو تحقیقی نگاہ سے پرکھتے ہیں۔ فضلی نے خونِ جگر ہونے تک میں گھوڑا مارا میں رہنے والے افراد کی معاشرتی اور سیاسی زندگی کی بڑی بھرپور تصویر پیش کی ہے، گھوڑا مارا میں سب سے نمایاں شخصیت جمعدار جلیل الدین کی ہے، جنھیں گاؤں کے لوگ بنگالی تلفظ کے مطابق ذلیل الدین یا ذلیل میاں یا زمان دار شاب پکارتے تھے۔ جمعدار صاحب اپنی بہادری کے عجیب و غریب قصے سناتے تھے۔ "انہیں خیال آ رہا تھا اگر نشانے پر بجائے ایک بے جان سیاہ داغ کے جاندار چوہیاہوتی تو شاید ان کا نشانہ خطا نہ ہوتا انہیں اس زمانے کی بہت سی باتیں پھر یاد آ رہی تھیں وہ ان باتوں کو اکثر فخریہ سناسنا کر گاؤں والوں پر اپنا رعب جمایا کرتے تھے اس وقت ان کا بہت جی چاہ رہا تھا کہ وہ پھر قصہ کہیں اور لوگ بیٹھے سنیں دل کی پتیلی میں قصے کی بھاپ جوش مار رہی تھی اور ہونٹ کے ڈھکنے اٹھ اٹھ کر گر گر پڑتے تھے گھر میں جا کر جلدی جلدی وضو کرنے لگے فجر کی نماز عموما قضا ہوجاتی

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

تھی مگر وہ پڑھتے ضرور تھے سوچ رہے تھے کہ نماز سے جلد فارغ ہو جاؤں تو قصہ خوانی کیلئے باہر نکلوں ہونٹ بدستو ر ہل رہتے تھے جیسے کچھ بُدبُدائے جارہے تھے"۔(۱)

جمعدار کا کنبہ اس کی بیوی اور اکلوتے بیٹے ابوالبرکات المعروف چھانو پر مشتمل تھا۔گھر کی دیکھ بھال کے لیے انھوں نے ایک نوکر رکھا ہوا تھا جس کا نام قمیص تھا۔ اس کے علاوہ اس کے ساتھ ایک لڑکا رہتا تھاجس کا نام پھول محمد تھا۔ پھول محمد کا والد فوت ہو چکا تھا پونیر میاں نے الیکشن جیتا اور وہ علاقے سے ایم این اے بن گئے۔ پونیر میاں کے مقابلے میں جمعدار صاحب ہی ہر بار آتے تھے۔ پونیر میاں کے علاوہ سرت ساہا ایک دکان دار ہے جو روپے پیسے اکٹھے کرنے کے لیے ہر قسم کا کام کرنے لگتا ہے۔ غریبوں سے ان کا مال سستے داموں لے کر ضرورت کے دنوں میں انہی لوگوں کو مہنگے داموں بیچتا ہے اور روپیہ کمانے کے چکر میں غریب دیہاتیوں کا خون چوستا ہے۔

فضل کریم احمد نے گھوڑا مار کے لوگوں کی مذہبی صورتِ حال کو بھی پیش کیا ہے۔ برصغیر کے دیگر علاقوں کی طرح بنگال کے مسلمان توہم پرست اور پیر پرست تھے۔ جمعدار صاحب کے مذہبی عقائد میں اس وقت تبدیلی پیدا ہوئی جب ان کی مستنصر باللہ نامی ایک مولوی صاحب سے گفتگو ہوئی۔ مولانا نے انھیں بتایا کہ انسان کو صرف اللہ پر بھروسہ کرنا چاہیے اور صرف اسی کے خوف کو اپنے دل میں جگہ دینی چاہیے اسے ہر مشکل گھڑی کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ مولانا کی باتوں کا جمعدار صاحب کے دل پر ایسا گہرا اثر ہوا کہ انھوں نے اپنی توہم پرستانہ زندگی کو ترک کر دیااور اللہ کا خوف اس کے دل میں جا گزیں ہو گیا۔ان کا عقیدہ اتنا پختہ ہو گیا کہ قحط جیسی مشکل اور جان لیوا مصیبت میں بھی ان کا یہ اعتقاد متزلزل نہ ہوا۔

جلودھر اور مخلص اشتراکی تحریک سے وابستہ تھے۔ بعض اشتراکیوں کی طرح ان کا بھی نظریہ یہ تھا کہ خدا کا وجود نہیں ہے اور مذہب انسان کے لیے افیون کا کام کرتا ہے۔ ان کے نزدیک اصل چیز انسانیت کی خدمت ہے۔ جس کے لیے وہ ہر وقت تیار رہتے تھے۔ طوفان اور قحط کے دنوں میں انہوں نے نادار و مصیبت زدہ لوگوں کی بغیر کسی ذاتی یا مالی لالچ کے خدمت کی۔ غریبوں کے لیے ان کی بے لوث خدمات نے جمعدار صاحب کو بڑا متاثر کیا۔ ناول میں اشتراکیت اور اسلام کا فرق بیان کرتے ہوئے مولانا مستنصر باللہ کہتے ہیں۔

"اشتراکیت بھی اسلام کا ایک خاکہ ہے جس میں اسلام کی شباہت تو ہے مگر روح نہیں۔(۲)

الغرض فضلی نے "خونِ جگر ہونے تک" میں بنگال کی دیہی زندگی کی معاشرت اور طرزِ فکر کی بڑی کامیابی سے عکاسی کی ہے۔ اس ناول میں انھوں نے گھوڑا مارا کے حوالے سے پورے بنگال کی دیہی کہانی کو سمو دیا ہے۔ جمعدار، جلیل الدین، پونیر میاں، لگن بابو، سرت ساہا، جلوہ دھر، مخلص، مولانا مستنصر باللہ اور پیر صاحب کے کردار ایسے ہیں جو ہمیں اس دور کے بنگال میں ہر گاؤں میں مل جاتے ہیں۔

قحط بنگال میں دبے پاؤں آیا اس طرح کہ پتہ ہی نہ چلا زندگی کی چہل پہل لہر بہ لہر جاری رہی مگر رفتہ رفتہ قہقہوں میں کھوکھلا پن پیدا ہونے لگا خوشی کے آنسو غم کے آنسو بننے لگے زندگی کا بازار سرد پڑنے لگا سوت کا بازار گرم ہونے لگا قحط قحط کی بھیانک صدائیں کانوں میں آنے لگیں کانوں میں تیل ڈالنے کی کوششیں کی گئیں لیکن یہ تیل بھی لو دینے لگا بالآخر ماننا پڑا کہ بنگال میں واقعی قحط پڑا ہے خون جگر ہونے تک یہی تکنیک استعمال کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہی جو کارکنان قضاؤ قدرخود استعمال کی تھی۔

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

گوندنی والا تکیہ میں غلام عباس نے وقت کے ساتھ ساتھ دیہی اور قصباتی زندگی کے بدلتے ہوئے ماحول اور سماجی قدروں کی بڑی خوبصورت عکاسی کی ہے۔ اس ناول کے ذریعے غلام عباس نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ماضی میں تکیے، شاملاتِ دیہہ یا اسی طرح کی دوسری جگہیں دیہاتی اور قصباتی لوگوں کی سماجی اور مجلسی زندگی میں کس قدر اہمیت کی حامل ہوتی تھیں۔ اس ناول کے اہم کردار نگینہ سائیں استاد خدا بخش فلک، شمس الدین، سلطان، مولو اور مہتاب بی بی کے ہیں۔ استاد فلک کی بیوی فوت ہوتی ہے تو وہ دلبرداشتہ ہو کر گاؤں چھوڑ کر شہر کا رخ کر لیتا ہے اور اپنی اکلوتی بیٹی دیہات کے پٹواری کے سپرد کر دیتا ہے اور ہر ماہ خرچ بھیجنے کا وعدہ کرتا ہے لیکن خرچہ وغیرہ مالی مشکلات کی بدولت نہیں بھیج سکتا۔ دیہات میں آٹھ دس سال تک شمس الدین پٹواری مہتاب بی بی کو پالتا پوستا ہے۔ پٹواری صاحب اپنے لنگڑے بھتیجے سے مہتاب بی بی کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ ادھر استاد فلک ایک بیوہ ٹھیکیدارنی سے نکاح کرنا چاہتے تھے اور اس کے بدلے وہ مہتاب بی بی کی شادی اس ٹھیکیدار کے بھائی سے کرنا چاہتا تھا۔ گاؤں کے سارے لوگ خورشید نامی عورت کو مشکوک نظروں سے دیکھتے تھے۔ جب استاد فلک نے دیہات میں مشاعرہ کروایا تو اس سے دیہات کی عزت لوگوں کے دلوں میں اور زیادہ ہو گئی کیونکہ قریبی دیہاتوں سے کافی لوگ اس مشاعرہ اور شہر کے شاعروں کو سننے اور دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ اگرچہ اس طرح استاد فلک کی عزت بھی دیہاتیوں کی نظر میں بہت زیادہ ہو گئی لیکن دیہات کے لوگ دیہات کی لڑکی کا رشتہ شہر میں اجنبی لوگوں میں کرنا اچھا تصور نہیں کرتے تھے۔ ایک اہم کردار سلطان کا ہے جو چودھری رحمت علی کا بھتیجا ہے اور ہر وقت کتابوں کو پڑھتا رہتا ہے۔ اس کا ایک دوست، مولو ہے جو غریب کسان چراغ کا بیٹا ہے۔ مشاعرے کی رات سلطان بڑی سمجھداری کے ساتھ خورشید نامی عورت کے پاس سرائے میں جاتے ہے اور اسے لڑائی جھگڑے کا بہانہ بنا کر ریلوے ٹرین میں سوار کرا کر واپس شہر بھیج دیتا ہے اور نام استاد فلک کا لیتا ہے کہ انھوں نے فوراً شہر جانے کے لیے کہا ہے اس سلسلے کی بابت پنچایت کا اعلان ہوتا ہے اور استاد فلک اور شمس الدین کے جھگڑے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ نگینہ سائیں بڑی ہوشیاری سے کام لے کر پٹواری کو راضی کرتا ہے کہ گاؤں کے اندر ہی مہتاب بی بی کی شادی کر دینی چاہیے اور وہ اس سلسلے میں چراغ کسان کے بیٹے مولو کا نام لیتا ہے اور بات طے ہو جاتی ہے۔ ادھر مہتاب بی بی سلطان بابو کو کو دل ہی دل میں چاہتی ہے لیکن اس کا اظہار زبان تک نہیں آتا۔ جب یہ معاملہ طے ہو جاتا ہے تو سلطان بغیر کسی کو بتائے کسی دوسرے ملک چلا جاتا ہے اور پیچھے مہتاب بی بی سلطان کا انتظار کرتے کرتے دم توڑ دیتی ہے۔ بیس سال بعد جب راقم واپس آتا ہے تو اسے اس بات کا بڑا دکھ ہوتا ہے۔اس طرح ناول اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔

پنجر" ایک بے بس عورت کی کہانی۔۔۔ امرتا پریتم کی زبانی۔۔۔ عورت جو انتقام کا شکار ہوئی جو اپنے بطن کے بیٹے کو بھی ماں کا پیار نہ دے سکی، جو تا عمر اپنے گھر، اپنے کنبے اور اپنے منگیتر کو نہ بھلا سکی، جس نے تقسیم کی خون ریزی میں خود کو خطرے میں ڈالا اوردوسری عورتوں کی عصمت وعفت کی حفاظت کی لیکن خود۔۔۔موقع ملنے پر بھی اپنے بیٹے کی خاطر واپس نہ جا سکی اپنے کنبہ میں، اپنے عزت کے گہوارے میں " (۳)

پنجرناول میں امرتا پریتم نے گاؤں کے دو گھرانوں کے درمیان دشمنی کو موضوع بنایا ہے۔ ایک گھرانہ ساہوکار کا ہے اور دوسرا گھرانہ شیخوں کا۔ شیخوں کے گھرانے نے ساہو کار گھرانے سے رقم ادھار لی اور اس کے عوض اپنا گھر رہن رکھا۔ جب وقت پر شیخ ساہوکاروں کے روپے اور سود واپس نہ کر سکے تو ساہوکاروں نے ان کے گھر پر قبضہ کر لیا اور شیخوں کی عورتوں کی بے عزتی کی اس کے علاوہ وہ شیخوں کی ایک لڑکی کو اٹھا کر لے گئے اور تین دن تک اس سے زیادتی کرتے رہے۔ اس بات کا شیخوں کو بڑا دکھ ہوا۔ جب شیخ گھرانہ کچھ مادی لحاظ سے سنبھلا تو انھوں نے قسم اٹھائی کہ ساہوکاروں سے اس کا بدلہ لے کر رہیں گے۔

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

پنجر میں اہم کردار پارو کا ہے جو اپنے آباؤ اجداد کی دشمنی کی بھینٹ چڑھ گئی۔ پارو کی منگنی رام چند کے ساتھ ہوئی جب شادی کی تاریخ نزدیک آئی تو سکڑیالے گاؤں سے آئے ہوئے رشید نے پارو کو اغوا کر کے کسی نامعلوم جگہ پر چھپا لیا۔ ادھر ساہوکار گھرانے کو اس بات کا بڑا صدمہ پہنچا۔ کچھ عرصے بعد رشید پارو کو مسلمان کر کے اس کا نام حمیدہ رکھ دیتا ہے اور اس سے نکاح کر لیتا ہے۔ اس سے ایک لڑکا جاوید پیدا ہوتا ہے۔ پارو کے بھائی کو جب پتا چلتا ہے کہ شیخوں نے اس کی بہن کو اغوا کیا تھا تو وہ غصے میں آ کر رشید کے کھیت کو آگ لگا دیتا ہے اور کھیت جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ پنجر میں ایک اور اہم کردار پگلی کا ہے۔ پگلی ایک نیم پاگل لڑکی ہے جو سارے گاؤں میں گھومتی رہتی ہے کسی ظالم نے اس پگلی کے ساتھ زیادتی کی جس سے وہ حاملہ ہو گئی۔ کچھ عرصے بعد پارو جب صبح کو پانی بھرنے کے لیے کنویں پر گئی تو اس نے دیکھا کہ پگلی مری پڑی ہے اور اس کے نزدیک ایک بچہ رو رہا ہے۔ پارو نے رشید کو بتایا۔ رشید بچے کو اپنے گھر لے آیا۔ پارو نے اپنا دودھ پلانا شروع کیا بچہ تندرست رہا لیکن جب گاؤں کے ہندوؤں نے پنچایت بلائی اور کہا کہ پگلی ہندو تھی اور یہ ہندو بچہ ہے ہم اس کو دھرم شالہ میں رکھیں گے۔ کسی مسلمان کو بچہ نہ دیں گے۔ اس بات کا رشید اور پارو کو بہت دکھ ہوا۔ ادھر دھرم شالہ میں بچے نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور سوکھ کر کانٹا ہو گیا اور جب بچہ مرنے لگا تو ہندوؤں نے وہ بچہ دوبارہ رشید کے حوالے کر دیا۔

ایک ا ور کردار لاجو کا ہے۔ لاجو پارو کے بھائی کے گھر والی تھی (بھرجائی) ہجرت کے ہنگامے میں کہیں گم ہو گئی اس بات کا جب لاجو کی نند پارو کو پتا چلا تو اسے بڑا افسوس ہوا اور اس نے رشید کی مدد سے لاجو کو ڈھونڈنے کا ارادہ کیااور ایک کھیس بیچنے والی کے روپ میں گاؤں گاؤں جاتی۔ ایک بڑھیا کے ہاں اسے لاجو ملی۔ سکھنی بڑھیا اور اس کے بیٹے کو دھوکہ دے کر پارو نے رشید کی مدد سے لاجو کو وہاں سے نکالا۔ رشید کے ہاں لاجو چھپ کر دو تین دن رہی۔ جب قافلہ فوجیوں کی نگرانی میں ہندوستان جانے لگا تو رشید اور پارو لاجو کو لے کر قافلے میں آ گئے۔ لاجو کو اپنا خاوند مل گیا۔ پارو کے بھائی نے بڑی دیر کے بعد اپنی بہن پارو کو دیکھا۔ سب لوگ گاڑی میں سوار ہو جاتے ہیں پارو کے بھائی نے پارو کو بھی گاڑی میں سوار ہونے کا اشارہ کیا لیکن پارو رشید کے پاس آ گئی اور اپنے خاوند اور بچے کے ساتھ بیٹھنا مناسب سمجھا۔

ایک چادر میلی سی میں مرکزی کردارر انوکا ہے۔ رانو تلوکے کی بیوی ہے۔ تلوکہ ایک کوچوان ہے اور سواریوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ چھوڑتا ہے۔ جب کوئی اکیلی عورت اس کے یکے میں بیٹھتی ہے تو وہ اسے چوہدری مہربان داس کے ہاں پہنچا کر انعام کی صورت میں ایک بوتل میٹھے شربت کی حاصل کرتا ہے۔ رانو کو اس شراب نوشی سے بڑی چڑ تھی رانو نے ایک دن تلو کے کو شراب نوشی سے منع کیا تو تلو کے نے اسے اتنا مارا کہ وہ لہولہان ہو گئی۔ اس نے رانو کے کپڑے پھاڑ دیئے اور گھر سے نکل جانے کا حکم صادر فرما دیا۔ منگل (تلوکے کا چھوٹا بھائی) اگر بیچ میں نہ آتا تو رانو شاید گھر سے چلی جاتی۔ جب رانو بیاہ ہو کر تلوکے کے گھر آئی تھی تو اس وقت منگل بہت چھوٹا تھا۔

جس لڑکی کو تلوکہ چوہدری مہربان داس کے گھر چھوڑ کر آیا تھا اس کے بھائی نے تلوکے کی شہ رگ پر اس زور سے کاٹا کہ اس کا گرم اور نمکین خون ختم ہو گیا۔ جب تلوکے کی لاش اس کے گھر پہنچی تو گھر میں کہرام مچ گیا۔ جنداں رانو کی ساس ہے اور حضور سنگھ سسر ہے۔ حضور سنگھ بہت بوڑھا ہے اور اسے بہت کم دکھائی دیتا ہے جب تلوکہ رانو کو مار رہا ہوتا ہے تو حضور سنگھ اسے بچانے کے لیے اٹھتا ہے اور چلتا ہوا ایک جلتے ہوئے تندور میں گر کر جل جاتا ہے اور کافی زخم اس کو آ جاتے ہیں۔

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

منگل کے بڑے بھائی تلوکے کے مرنے کے بعد لوگ منگل کی عادتوں کو جاننے لگتے ہیں۔ منگل گاؤں کی ایک لڑکی سلامتے سے رات کی تنہائی میں ملا کرتا تھا۔ لوگوں نے فیصلہ کیا کہ رانو کا گھر بس جائے گا بچوں کے سر پر والد کا سایہ آ جائے گا اور منگل اپنی حرکات چھوڑ دے گا اس لیے انھوں نے منگل اور رانو کو بڑی مار پیٹ اور زبردستی ایک دوسرے کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا۔ ایک اہم کردار باوا ہری داس کا ہے۔ لوگ اسے بہت پہنچا ہوا بزرگ مانتے تھے۔ گاؤں کی عورتیں اس کے ہاں سے مختلف طرح کے تعویذ لے جاتی تھیں۔ جب پولیس زنا کے جرم میں چوہدری مہربان داس اور اس کے بھائی گھشنام کو پکڑ کر لے جا رہی ہوتی ہے تو ساتھ ہی اس بابا سئیں کو بھی ہتھکڑیاں لگی ہوتی ہیں۔ دیہات کی عورتیں یہ دیکھ کر اپنے سر پیٹ لیتی ہیں کہ اس نے کونسا روپ بنایا ہوا تھا۔ رانو کی سہیلی اسے کہتی ہے " رنڈیے کھسم کھانیے، ایدھر مر، اور پھر اسے مکان کے پیچھے کھولے میں جہاں گاؤں کے لڑکے لڑکیاں رات کے اندھیرے میں ملا کرتے تھے اور چور سیندھ لگاتے تھے لے جاتے ہوئے بولی، ہم تیرے بھلے کی کریں اور تو پھیلتی جائے" (۴)

رانو کی ایک بڑی بیٹی (جس کا نام بھی بڑی ہے) کو اس کی ساس جنداں دوسرے گاؤں کے آدمیوں کے ہاتھ ساڑے پانچ سو روپے میں بیچنے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ رانو نے اپنی ساس جنداں سے کہا کہ اگر کسی شخص نے آئندہ میری بیٹی کی طرف دیکھا اور یہ دہلیز پار کی تو اس کی زبان کھینچ لوں گی۔ "رانی کے دیکھتے ہی بڑھیا کے سارے بدن کے تکلے کھڑے ہو جاتے ہیں اور رانی پر اپنی گالیوں کے چھاجوں کے چھاج خالی کر دیتی: رنڈیے!ڈائنے!چڑیلے!۔۔۔۔۔ میرے بیٹے کو کھا گئی اور ہم سب کو کھانے کیلئے منہ پھاڑے ہوئے ہے۔۔۔۔ چلی جاجدھر منہ کرتا ہے کر لے اب اس گھر میں کوئی جگہ نہیں تیرے لئے " (۵)

منگل نے بڑی کی شادی خود کرنے کا کہا۔ پلک جھپکتے ہی سات برس کا عرصہ گزر گیا۔ چوہدری مہربان داس اس کا بھائی گھشنام سرجھکائے جاتریوں میں سے گزر رہے تھے۔ ان کے درمیان ایک لڑکا عقیدت اور محبت سے دیوی ماں کی بھینتیں گا رہا تھا۔ منگل نے اس لڑکے کا رشتہ رانو کے لیے پسند کیا تھا۔ اس ناول میں تمام کردار اپنی اپنی جگہ پر بالکل ٹھیک اور موقع محل کے مطابق درست ہیں، کہیں کہیں کرداروں میں لچک بھی ہے لیکن مجموعی طور پر تمام کردار جاندار اور اہم ہیں۔

رقصِ ابلیس اور یا خد ناول ہجرت اور فسادات کے موضوع پر ہیں۔ رقص ابلیس کو پڑھ کر سکھوں کے ظلم و ستم اور درندگی عیاں ہوتی ہے مسلمانوں پر جو مظالم قیام پاکستان کے نتیجے میں ہوئے اور پاکستان آنے کی جو قیمت انہیں ادا کرنی پڑی تاریخ میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ لیکن ان میں کہیں کہیں دیہاتی عکاسی بھی ملتی ہے لیکن ان میں دیہاتی کردار بہت کم ہیں۔ رقصِ ابلیس میں تین اہم کردار ہیں ایک خورشید کا ہے جو محبوب کی بیوی ہے اور شادی کی پہلی رات ہی سکھ اسے لڑائی کے دوران اٹھا کے لے جاتے ہیں اور وہ بچتی بچاتی ہوئی مہاجر کیمپ میں پہنچ جاتی ہے۔ دوسرا کردار اس کے شوہر محبوب کا ہے تیسرا کردار دوست محمد خان کا ہے۔ دوست محمد خان، محبوب الٰہی کی بیوی کو تلاش کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس ناول میں سکھوں کے کردار بھی ہیں جو زیادہ اہم نہیں ہیں۔ "ہمارے گاؤں میں مسلمانوں کی آبادی غیر مسلموں سے زیادہ تھی اور مسلمان اور غیر مسلم بالکل بھائیوں کی طرح رہتے تھے جب ادھر ادھر سے فساد کی خبریں آنے لگیں تو ہمارے گاؤں کے غیر مسلم اکٹھے ہوکر میرے بڑے لڑکے رحمت علی کے پاس آئے، رحمت علی نے تسلی دی اور کہا کہ وہ کچھ خوف نہ کریں۔۔۔۔ہمارے گاؤں سے کوئی پانچ ایک میل کے فاصلے پر سکھوں کا ایک گاؤں تھا اس گاؤں کا نام سنگھ پورا تھا اس گاؤں میں سکھوں کی بہت بھاری اکثریت تھی مسلمانوں کے بھی گھر تھے اور یہ لوگ سکھوں کے ہی کام کاج کرتے تھے " (۶)

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

سکھوں کے ظلم و ستم کی لرزہ پیدا کرنے والے کرداروں کی کثرت ہے ایسے ظالم اور جابر کردار جن کو دیکھ کر انسانیت شرمندہ ہو جاتی ہے۔

یا خدا میں مرکزی کردار دلشاد کا ہے۔ دلشاد اپنے بوڑھے باپ ملا علی بخش کے ساتھ مسجد کے ایک حجرے میں رہا کرتی تھی۔ ملا علی بخش جب اذان دیتا تو سکھوں کو اس بات سے بڑی چڑھ ہوتی۔ آخر انھوں نے بڑی بے دردی کے ساتھ علی بخش کو قتل کر کے مسجد کے کنویں میں پھینک دیا اور اس کی بیٹی دلشاد کے ساتھ سب سکھ باری باری زیادتی کرتے رہے۔ دلشاد کو جب حوالدار کے حوالے کیا تو اس نے بھی اپنی پیاس بجھائی۔ برادر چند دنوں کے بعد اسے انبالہ کیمپ میں چھوڑآئے۔ دلشاد مہاجرین کے ساتھ لاہور میں مہاجر کیمپ میں پہنچ جاتی ہے اور وہاں اسے زبیدہ اور محمود ملے ان کا بوڑھا دادا کیمپ میں انتقال کر گیا۔ "زبیدہ نے دلشاد کو آواز دی، بہن ذرا اس طرف دھیان رکھنا محمود سو رہا ہے میں ذرا خان صاحب کے ساتھ جا کر دہی لے آؤں اس طرح جب دلشاد کی اپنی پکوڑیوں کیلئے بیسن لینے کسی گاہک کے ساتھ جاتی ہے وہ اپنی بچی کو زبیدہ کے سپرد کر جاتی ہے دہی اور بیسن کی اس ملاوٹ پر دنیا کی سب سے بڑی اسلامی ملت کا مستقبل پروان چڑھ رہا ہے جب دلشاد کی بچی نرم نرم، گرم گرم پکوڑیوں پر پل کر جوان ہو گی جب زبیدہ کا محمود دہی بڑوں کی چاٹ پر سیانا ہو گا،تو اسلام کی برادری میں دو گرانقدر رکنوں کا اضافہ ہو جائے گا ایک مضبوط بھائی، ایک خوبصورت بہن۔۔۔۔ جسم کی مضبوطی اور جسم کی خوبصورتی" (۷)

دلشاد، زبیدہ اور محمود کے ساتھ چیزیں بیچنے لگتی ہے۔ دلشاد اپنے اور ان بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے زبیدہ کے ساتھ مل کر اپنا جسم بیچنا شروع کر دیتی ہے۔ جس سے انھیں گاہکوں کو بلانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ناول کے آخری حصے میں ایک کردار دلشاد کا ہے جو ظلم و ستم کا نشانہ بنتی ہے پاکستان میں ایلیٹ کلاس کے عیاشیوں کا تذکرہ ہے، شراب نوشی، جواء اور سود کاروبار سب چل رہے ہوتے ہیں یہ پاکستان ہے، دلشاد اب لاہور سے ہوتی ہوئی کراچی آئی ہے، یہاں پکوڑے بیچتی ہے، ایک چھونپڑی میں رہ رہی ہے، اس ناول میں حسرت بھری داستان ہے جو بٹوارے کا نہ بھرنے والا زخم، جو ہجرت کر کے آئے، ان پر ہندوستان میں کیا گزری، جب پاکستان آئے، تو وہ یہاں کن کن مصیبتوں سے گزرے۔ایک دلشاد کی زبانی کتنی ہی دلشادوں کی کہانیاں ہیں۔

"شہر ہوئے دیوانے" میں بھی سکھوں کے ظلم و ستم کو صفحۂ قرطاس پر احمد شجاع پاشا نے رقم کیا ہے۔ اس ناول میں بہت سے کردار ہیں لیکن ان میں چند اہم کردار جمشید، پرکاش کور، کابل سنگھ اور اس کے بیٹے نرگس، امتیاز اور بڑی بی کا ہے۔ باقی ذیلی کردار ہیں۔ ہجرت کے ہنگامے میں جمشید کی بہن اور بہنوائی اپنی حویلی خالی کر کے کہیں چلے جاتے ہیں۔ جمشید انھیں تلاش کرتا ہے لیکن ان کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ جمشید کابل سنگھ کی بیٹی سے محبت کرتا ہے۔ کابل سنگھ اور اس کے بیٹوں کو یہ بات ناگوار گزرتی ہے کابل سنگھ کا ایک بیٹا بچنا سنگھ جمشید سے لڑتا ہے اور اسے تلوار مانا چاہتا ہے۔ ادھر جمشید لڑتے لڑتے اسے دھکا دیتا ہے تو اس کی اپنی تلوار اس کے پیٹ میں لگ جاتی ہے جس سے بچنا سنگھ مر جاتا ہے۔ کابل سنگھ کو اس بات کا بڑا دکھ ہوتا ہے ا ور وہ جمشید کو زندہ پکڑ کر انتقام لینا چاہتا ہے۔ادھر پرکاش کور جمشید کی محبت میں پاگل سی ہو جاتی ہے اور اس کی یاد میں کڑھ کڑھ کر مر جاتی ہے۔ کابل سنگھ کے انتقام کے جذبے کو اور تقویت ملتی ہے اور وہ اپنے بیٹوں سے اپنے گورو کی قسمیں اٹھواتا ہے کہ جس طرح بھی ہو جمشید کو سرحد پار کرنے سے پہلے زندہ یا مردہ پکڑ لیا جائے۔

کابل سنگھ، اجل سنگھ اور شیر سیاں نے جمشید کو ایک گاؤں میں محاصرے میں لے لیا۔ رات کی تاریکی میں جب ٹارچ سے دیکھ کر کابل سنگھ اور اس کے بیٹوں نے فائر کیے تو اس سے ایک جھاڑی میں چھپا ہوا جمشید زخمی ہو گیا اور وہ بہتے ہوئے لہو کے ساتھ قریب ہی جھونپڑیوں میں سے ایک جھونپڑے میں چھپ گیا۔ سب نے رات ختم ہونے تک انتظار کیا۔ صبح جمشید نے جھونپڑا چھوڑ دیا اور قریبی ایک گڑھے میں چھپ کر فائر کرنے لگا۔ اجل سنگھ اور کابل سنگھ کی

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

بندوقیں بھی آگ اگلنے لگیں۔ ان میں سے کچھ گولیاں ایک جھونپڑے میں لگیں جس میں شیر سنگھ گھات لگائے بیٹھا تھا۔ جھونپڑے کو فوراً آگ لگ گئی اور وہ شیر سیاں کے اوپر گھر گیا۔ شیر سیاں اب چلا رہا تھا اور کابل ا ور اجل سنگھ اسے چلاتا ہوا دیکھ رہے تھے کیونکہ جانبین گولیوں کے ڈر سے چھپے ہوئے تھے۔ کابل سنگھ کا بیٹا اس کی آنکھوں کے سامنے جل رہا تھا۔ جمشید نے اپنی جان کی حفاظت کیے بغیر شیر سیاں کی جان بچا دی۔کابل سنگھ اجل سنگھ اور رشید میاں نے جمشید کو چھوڑ دیا اور کابل سنگھ کو قسماً کہا کہ میں نے گور سچن سنگھ کو نہیں مارا تھا۔

ادھر نرگس امتیاز اور بڑی سے جمشید کی ملاقات ہوتی ہے وہ پاکستان آ رہے تھے ان کے ساتھ ان کا ایک وفادار نوکر جنگی بھی تھا جنگی کو سانس کی بیماری تھی وہ راستے میں دم توڑ دیتا ہے۔ نرگس امتیاز کو بڑی اور جمشید مختلف مشکلات اور مسائل سے عہد برآ ہوتے ہوئے جب پاکستانی سرحد کے قریب پہنچتے ہیں تو سکھوں کے ایک گروہ کی طرف سے فائرنگ شروع ہو جاتی ہے جس سے جمشید ہلاک ہو جاتا ہے نرگس جس کا سہارا جمشید تھا، بہت زاروقطار رو رہی تھی۔ قافلے گزرتے جا رہے تھے اور نرگس بیٹھے روئے جا رہی تھی ایک قافلے میں ایک عورت لاش کو دیکھنے کے لیے آگے آتی ہے تو اپنے بھائی کی لاش دیکھ کر رونا شروع کر دیتی ہے۔ ادھر نرگس اسے سب کچھ بتا دیتی ہے اور اس طرح یہ قافلہ اپنی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہو جا تا ہے لیکن جو محبت کے بیج جمشید نرگس کے دل میں بھر گیا تھا وہ اسے تکلیف اور غم دیتے رہتے۔اس طرح اس ناول کا اختتام ہوتا ہے۔

کرشن چند نے اپنے مشہور ناول غدار میں بہت زیادہ دیہاتی زندگی کو پیش کیا ہے۔ غدار زیادہ تر ہجرت کے ہنگاموں سے پُر ہے۔ مسلمانوں اور سکھوں کے صدیوں پرانے تعلقات پلک جھپکتے ہی تبدیل ہو رہے تھے۔ اس ناول میں بہت سے کردار ہیں سب سے اہم اور مرکزی کردار بیج ناتھ کا ہے۔ بیج ناتھ کا خاندان لالے گاؤں میں رہتا تھا۔ بیج ناتھ کے ساتھ اسی گاؤں کے نمبردار سربلند کی لڑکی عشق کرتی ہے اور یہ دونوں سرکنڈوں میں ملا کرتے۔ فسادات کی خبر جب عام ہونے لگی تو بیج ناتھ گاؤں سے لاہور اپنے والد کے گھر آیا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر جب گھر پہنچا تو گھر پر تالا پڑا ہوا تھا اور باپ بھائی اور بیوی بچے غائب تھے۔ "یہاں سے میں پیدل اپنے گاؤں کو ہو لیا کمادوں کی فصلوں کا زمانہ تھا چاروں طرف ہری بھری کھیتیاں نظر آتی تھیں ٹاہلیوں کے جھنڈ میں مویشی سر جھائے بیٹھے تھے یا گھا س چر رہے تھے دور افق کے جھملاتے ہوئے دھندلکوں میں سورج غروب ہو رہا تھا اور دور کسی جاٹ کا گیت فضا میں گونج رہا تھا " (۸)

بیج ناتھ کے لاہور میں میاں حاجی برک اور تاجی دوست تھے۔ بیج ناتھ رات کو تاجی کے گھر گیا سب دوست شراب پی کر تاجی کا رقص دیکھ رہے تھے میں نے ساری بپتا میاں سے کہہ دی۔ میں اور میاں تاجی اور برک سے رخصت لے کر گھر آئے۔ بھابھی کو سلام کیا لیکن جواب ندارد۔ حاجی نے مسلمانوں کو خبر کر دی کہ ایک ہندو میاں کے گھر میں ہے۔ رات کو لوگ بندوقیں اور کلہاڑیاں لے کر میاں کے دروازے پر آ گئے۔ میں اس وقت خواب غفلت میں تھا۔ میاں نے کہا کہ صبح کو اس پنڈت کو زندہ یا مردہ تمھارے حوالے کر دوں گا لیکن لوک پھر بھی اس کے بیٹے طارق اور بیٹی تسنیم کو ساتھ لے گئے۔

جان بچاتے بچاتے اپنے گاؤں میں آ کر میں نے سارا قصہ اپنے دادا جی کو سنایا(میرے چچا باپ بھائی اور بچے بھی یہاں گاؤں میں زندہ پہنچ گئے تھے) دادا جی نے اپنے مزارعوں فضلو، اللہ داد اور کریم خان کو بلایا اور میرے سامنے ان سے ہنگامے کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا کہ مالک صدیوں سے ہم یہاں اکٹھے رہتے آ رہے ہیں۔ اگر یہاں ہنگامہ ہوا تو ہم آپ کی جان بچاتے ہوئے اپنی جان دے دیں گے اور آپ کی حفاظت کریں گے لیکن میرے دل کو تسلی نہ ہوئی۔ مسلمان گروہ نے رات کو حملہ کر دیا اور ہمارا سارا خاندان قتل ہو گیا۔میں کماد میں چھپ کے بیٹھ گیا اس لیے بچا رہا۔

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

صبح جب سب مسلمان چلے گئے تو میں نے گھر کے اندر جا کر دیکھا۔ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں بھری پڑی تھیں۔ میرے دادا جی باپ، چچا، بھابھی، بچے سب کی لاشیں صرف ایک کتیا رومی دم ہلاتی ہوئی میری طرف آئی۔" تو کہاں جائے گی کتیاتو حاملہ ہے تو گابھن ہے تو کتیا ہے تجھے کوئی ڈر نہیں ہے تو انسان تھوڑی ہے تجھے اپنی جان کا ڈر ہو یہ تو سب تہذیب کی باتیں ہے اونچے مذہب اور اخلاق کے جھگڑے ہیں یہ تلوار تو بہت بلند اصولوں کی حمایت میں نکلی ہے شکر کر تیرا گلااس سے کاٹا نہ جائے گا شکر کر تو غیر مہذب ہے۔۔۔بھاگ جا میرے پیچھے مت آ کیونکہ میں ایک انسان ہوں اور اپنی جان بچانے کیلئے دوسرے انسانوں سے بھاگ رہا ہوں بھاگ اور چلی جاواپس اپنے گاؤں جہاں میں رہتا تھا اور جہاں تو رہتی تھی جہاں میں پیدا ہواتھا جہاں تو پیدا ہوئی تھی جہاں سے مجھے نکال دیا گیا ہے اور تجھے کوئی ہاتھ نہیں لگائے گا کیونکہ تو کتیا ہے انسان نہیں ہے " (۹)

رومی ہماری بڑی وفادار کتیا تھی ہر وقت وہ میرے ساتھ رہتی۔ رومی کو میں نے مارا پیٹا کہ میرا ساتھ چھوڑ کے کہیں اور چلی جا۔ تجھے کوئی کچھ نہیں کہے گا کیونکہ تیرا کوئی مذہب نہیں ہے لیکن رومی میرے ساتھ چمٹی رہی اور آخر اس نے میرے ساتھ دریا میں چھلانگ لگا دی اور غوطے کھاتے ہوئے دریا کے تیز پانی میں بہہ گئی۔ ایک اور کردار بلاقی شاہ کا ہے۔ میں ایک رات چھپ کر اسٹیشن دربار صاحب کرتار پور پہنچ گیا سایہ دیکھا جو لاشوں پر جھکا ہوا تھا۔ جب میں نے بغور جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ایک بڈھا لاشوں کی جیبیں کاٹ رہا ہے۔ میں نے پیچھے سے جا کر اسے پکڑ لیا اور کہا کہ تم مسلمان ہو تو میں تمھیں ابھی قتل کرتا ہوں۔ اس بڈھے نے کہا کہ میں مسلمان نہیں ہوں بلکہ میں بلاقی شاہ ہوں۔ بلاقی شاہ ہمارے علاقے کا مہاجن تھا اور ایسا کوئی گھر نہ تھا جس کا زیور اس کے گھر گروی نہ ہو۔

پارو اور امتیاز کے کردار بھی اہم ہیں امتیاز مسلمان ہے اور پارو ہندو ہے۔ امتیاز پارو سے محبت کرتا ہے اس ہنگامے میں امتیاز کے گھر والے ہوائی جہاز کے ذریعے پاکستان جا رہے ہوتے ہیں۔ انھوں نے لاکھ امتیاز کو سمجھایا لیکن امتیاز میرے کہنے پر پاکستان نہ گیا ہماری شادی سے چند دن پہلے میرے باپ کے غنڈوں نے امتیاز کو قتل کر دیا۔ اب میں اس کے ماں باپ کے پاس اس کی بیوہ بن کر رہوں گی۔ یہ بڑا جاندار کردار ہے گاؤں کے دو موچی تلاشِ معاش کے لیے اپنے گاؤں سے چلے جاتے ہیں۔ احمد یار جالندھر اور نتھو خان لاہور چلا جاتا ہے۔اس خونی ہنگامے میں دونوں اپنی اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ ان کی ملاقات ہوتی ہے تو وہ دونوں رونے لگتے ہیں اور وہ رو کر کہتے ہیں کہ ہم نے ہندوستان میں بھی جوتے بنانے ہیں اور پاکستان میں بھی اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟"میں کماد وں کی اوٹ میں چھپ کر دیکھا کی ٹیلوں کے پیچھے جھنڈوں میں اور کماد کے کھیتوں میں بالکل میرے سامنے بہت سے مسلمان فسادی منہ پر ڈھائے باندھے ہاتھ میں بلم چھریاں، گنڈاسے اور بندوقیں لئے کھڑے ہیں اور کماد کے اس پار ریلوے لائن کی دوسرے طرف سڑک پر سے کنجروڑ کی جانب سے آنے والے ہندوؤں کے قافلے کو دیکھ رہے ہیں " (۱۰)

غدار ناول پڑھتے ہوئے ایک گہرے دکھ کا احساس ہوتا ہے کہ انسان دوسرے انسان کے ساتھ محبت، خلوص، ایک دوسرے کی عزت کرتے ہوئے اور ایک دوسرے کے حقوق دیتے ہوئے زندگی کیوں گزار نہیں سکتے، مذہب جو کبھی بھی ایک دوسرے سے نہیں چھینا جا سکتا، نہ مسلمان سے قرآن چھینا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہندوں سے گیتا تو پھر لڑائی کس بات کی ہے "(۱۱)

ڈکی کے مشہور صحرا میں بہت سے مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں وہاں سے ایک بچے کے رونے کی آواز آئی میں نے (بیچ ناتھ) پہرے دار سے کہا کہ رات میری بندوق یہاں گر گئی تھی اسے ڈھونڈنے کے لیے جا رہا ہوں لیکن واپسی پر میرے ہاتھ میں مسلمان بچہ تھا تو پہرے دار نے کہا کہ اسے مار ڈالو۔

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

میں نے کہا کہ اسے میں بڑی بے دردی سے ماروں گا۔ یہ سانپ کا بچہ ہے میں اس بچے کو لے کر وہاں سے بھاگ نکلا حالانکہ پہرے دار نے آواز دینے کے بعد گولی بھی چلائی جو میرے پاؤں میں لگی لیکن میں بچے کو لے کر بھاگتا رہا اور بچے کی جان بچ گئی۔ اب اس بچے کو پالنا میرا مقصدِ حیات ہے۔" میں ڈکی کے میدان میں داخل ہو گیا میرے چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں پڑی تھیں، بڈھوں کی لاشیں، جوانوں کی لاشیں، عورتوں کی لاشیں، بچوں کی لاشیں، اوندھی لاشیں، سیدھی لاشیں، اکڑوں لاشیں، لاشیں جن کے دھڑ ننگے تھے، لاشیں جن کے ہاتھ اکڑے ہوئے تھے، لاشیں جن کی آنکھیں کھلی تھیں، لاشیں جن کی آنکھیں بند تھیں، لاشیں جن کی ہاتھ میں دودھ کی بوتل تھیں،لاشیں جو زندگی کا سارا زہر پی گئی تھیں اب ہمیشہ کیلئے سو رہی تھیں " (۲۱)

کمزوری ناول میں مرزا عظیم بیگ چغتائی نے کئی اہم دیہاتی کرداروں کو دکھایا ہے۔ اس ناول کا مرکزی کردار زہرو(چھٹی انگلی والی) ہے۔ رانی صاحبہ بہت چالاک اور ہوشیار عورت ہے۔ رانی صاحبہ کا خاوند بڑھاپے کی دہلیز پر ہے اس لیے ان کے ہاں بچہ پیدا ہونے کی امید بالکل ختم ہو چکی ہے۔ رانی صاحبہ نے اپنی نوکرانی زہرہ اور اس کے بھائی احمد میاں کے درمیان ناجائز تعلقات بنانے کی ترغیب دی اور کہا کہ صرف اسی طرح رانی صاحبہ بچے کی ماں بن سکتی ہے یہ بات صیغۂ راز میں رکھی گئی اور پیر صاحب کی بہت سی خدمت مدارت کی گئی۔"اور اندازہ تھا کہ کوئی دس پندرہ لاکھ روپے کا نقد سامان جواہرات کے علاوہ دس گاؤں لڑکی کو جہیز میں ملیں گے راجہ صاحب نے بھی بہت کوشش کی تھی لیکن اس وقت کوئی امید نظر نہ آئی تھی اب نامعلوم کس وجہ سے کامیابی ہو گئی اب میری آنکھیں کھلیں کہ مجھ سے زیادہ کوئی بے وقوف لڑکی نہ ہو گی رانی صاحبہ دراصل کسی طرف بھی احمد میاں سے میری شادی نہ ہونے دیتیں صاف معلوم ہو گیا انہوں نے میری مٹی خراب کی ورنہ ان کا کیا نقصان تھا کہ اگر میرا نکاح احمد میاں کے ساتھ ہو جاتا "(۳۱)

رانی صاحبہ نے احمد میاں اور اپنی نوکرانی کے درمیان بے تکلفی پیدا کرنی شروع کر دی اور رانی نے زہرہ کو احمد میاں کے ساتھ نکاح کرنے کی لالچ دے کر اس سے احمد میاں کو چوری چھپے ملنے کو کہتی۔ رانی رات کو اٹھ کر زہرہ اور احمد میاں کے کمرے میں جا کر ان کے چہرے پر پان کے نشان لگا آتی اور وہ سمجھتی کہ احمد میاں کی شرارت ہے اور احمد میاں سمجھتے کہ زہرہ کی شرارت ہے الغرض قریب کرتے کرتے انہین غلط کام کرانے میں کامیاب ہو گئی۔ ادھر شاہ صاحب نے حکم دیا کہ جب کچھ امید لگے تو سب سے الگ تھلگ ایک نوکرانی چھے انگلیوں والی صرف رانی صاحب کے ساتھ رہ سکتی ہے وہ حویلی بالکل الگ ہونی چاہیے اور اس دوران کسی شخص سے نہ ملے ورنہ بچے کی امید ختم ہو جائے گی۔

زہرہ کو رانی صاحبہ امید دلاتی رہتی ہے کہ بچہ پیدا ہونے پر تمھارا اور احمد میاں کا نکاح کرا دوں گی اور میری احمد میاں سے بات بھی ہو گئی ہے حالانکہ سب بالکل جھوٹ تھا۔ بے چاری زہرہ بچہ جنتی ہے اور دیہات مین شاہ صاحب کی کرامت کے چرچے ہونے لگتے ہیں۔ حالانکہ بچہ رانی کی بجائے زہرہ نوکرانی کا تھا۔

بچے کی پیدائش کے بعد زہرہ کو بچے سے دور رکھا جاتا ہے رانی صاحبہ زہرہ کے والدین کے ہاں روپے پیسے بھیج دیتی ہے تاکہ وہ زہرہ کی شادی کر دیں۔ ادھر احمد میاں کی شادی ایک کھاتے پیتے گھرانے میں ہو جاتی ہے اور زہرہ کو رانی کی چالاکی کا علم ہو جاتا ہے۔ زہرہ کی شادی ایک مولوی صاحب سے کر دی جاتی ہے اس کے ہاں تین لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوتی ہے زہرہ نے اپنے لڑکوں اور ایک لڑکی کی شادی بھی کر دی اور ان سے بھی بچے تھے۔ز ہرہ کو اپنے زخم بھلانے سے بھی نہیں بھولتے تھے پھر بھی بچوں کے درمیان دل لگا رہتا تھا۔

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

زہرہ کے ماں باپ فوت ہو چکے تھے اور زہرہ نے اپنا مکان بیچ دیا تھا۔ ادھر جب زہرہ کے گھر کو آگ لگتی ہے تو اس آگ کی تباہ کاری میں اس کے تمام بچے بچیاں دم گھٹنے اور آگ لگنے سے ہلاک ہو جاتے ہین۔ زہرہ پھر دنیا میں اکیلی ہو جاتی ہے۔ وہ واپس احمد میاں کے گاؤں چلی جاتی ہے کہ شاید احمد میاں مل جائیں اور دکھوں مین کچھ کمی آ جائے۔ احمد میاں اور ان کے ناجائز تعلقات کی اولاد علی احمد اس حویلی کا مالک ہے اور جب بھی بڑھیا اسے بیٹا کہہ کر پکارتی تو وہ نوکروں سے کہہ کر اسے مار پیٹ کر دور بھگا دیتا۔ ایک دن بڑی مشکل سے چوری چھپے وہ احمد میاں کے کمرے تک پہنچ جاتی ہے۔احمد میاں سے ساری کہانی کہہ سناتی ہے احمد میاں اس سے صبح نکاح کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ رات کو اندھیرے میں ایک سانپ احمد میاں کو ڈس لیتا ہے اور صبح احمد میاں اپنے بستر پر مرے ہوئے ملتے ہیں۔ اس طرح یہ سہارا بھی چھن جاتا ہے۔ بڑھیا حویلی کے باہر پھاٹک پر بیٹھی رہتی اورجب اس کا بیٹا باہر نکلتا تو وہ دوڑ کر اس سے ملنے کے لیے آتی نوکر "مجھے" مار پیٹ کر دور لے جاتے اور سب لوگ یہی سمجھتے کہ بڑھیا بے چاری پاگل ہے بڑھیا بھی امید کے سہارے پھاٹک کے باہر بیٹھی رہتی ہے اور روتی کم اور مار پیٹ زیادہ کھاتی رہتی ہے۔

پندرہ اگست، رشید اختر ندوی کا ناول ہے۔ اس میں بھی ہجرت کے خونیں ہنگامے کو دکھایا گیا ہے ہر طرف ظلم اور خوف کی نہریں نظر آتی ہیں۔ عصمتوں کے جنازے نکل رہے ہیں اس میں چند اہم کردار شاہ جی، نجمہ، کرم سنگھ، لاجونتی،جھتے دارنی، عذرا، سلمٰی، ثریا، نعیمہ اور ظل عذرا اور سلمٰی کا ہے، شاہ بابا نجمہ کے والد ہیں اور کئی سالوں سے اس دیہات میں رہ رہے ہوتے ہیں۔ فسادات کے دوران مرد قتل ہو جاتے ہیں اور عورتیں سکھوں کی قید میں چلی جاتی ہیں۔ کرم سنگھ ایک ڈاکو ہے۔ کرم سنگھ کی ایک بہن لاجونتی ہے۔ نجمہ کے سمجھانے سے لاجونتی سکھ مذہب کو چھوڑ کر نجمہ کے ساتھ مل جاتی ہے۔ بظاہر وہ سکھنی ہی رہتی ہے۔ کرم سنگھ اور اس کے ساتھی جس گاؤں میں جاتے وہاں جا کر لوٹ مار کرنے کے بعد گاؤں کو آگ لگا دیتے مردوں کو مار ڈالتے اور جوان لڑکیوں کو اپنے ساتھ بھیڑ بکریوں کی طرح باندھ کر لے جاتے۔ نجمہ اور لاجونتی آخر تک ایک دوسرے کے ساتھ رہتی ہیں۔ ظلم و ستم سے لاجونتی زخمی بھی ہوتی ہے ایک رات بہت زیادہ فائرنگ ہوتی ہے اور رات کی تاریکی میں نجمہ اور لاجونتی چھپتی چھپاتی آ گے پاکستان کی طرف بڑھتی رہتی ہیں۔ رات کو نہ جانے کب نجمہ کو نیند آ جاتی ہے ا ور لاجونتی اس کے سینے پر سر رکھ کر سو جاتی ہے صبح کو جب نجمہ اٹھتی ہے تو لاجو نتی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ لاجونتی نجمہ کا ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔

ادھر بہت سی عورتوں کوباندھ کر سکھ ایک جتھے دارنی کے پاس لے آتے ہیں۔ جتھے دارنی بڑی چالاکی سے ان کی خدمت کرتی ہے اور پھر ایک رات ان سب عورتوں کا سودا کر دیتی ہے۔ نجمہ عذرا، سلمٰی ظل عذرا او ر سلمٰی مل کر جتھے دارنی کے بارود کے ذخیرے کو آگ لگا دیتی ہیں اس طرح ساری حویلی جل کر تباہ ہو جاتی ہے۔ بہت سی عورتیں آگ میں جل جاتی ہیں۔نجمہ اور چند اور عورتیں اپنی جان بچا کر پاکستان میں داخل ہو جاتی ہیں اور پھر اپنی زبانی ناول نویس کو اپنی کہانی سناتی ہیں۔

"سڑک واپس جاتی ہے" کرشن چندر کا ایک دیہاتی اور شہری زندگی پر لکھا گیا ناول ہے، اس میں مرکزی کردار راجو(جنگلی) اور ترنا کا ہے، مہادیو ٹرک ڈرائیور ہے اور بختیار کلینر ہے جنگلی کا باپ ایک کسان ہے۔ اس کی تھوڑی سی زمین ہے جس پر ہل چلانے کے لیے ان کے پاس بیلوں کی ایک جوڑی ہے۔ جنگلی بڑا نڈر لڑکا ہے۔ جنگل سے جنگلی لکڑیاں کاٹ کر ایک ہوٹل میں دیتا اور وہاں سے چار آنے مل جاتے، جب جنگلی کا باپ سانپ ڈسنے سے ہلاک ہو جاتا ہے تو اس کی ساری زمین بیل اور سارا سامان والد کی تدفین اور فضول رسموں اور رشتے داروں کے کھانے پکانے پر لگ جاتا ہے جنگلی نے کسی سے سنا تھا کہ بمبئی بڑا شہر ہے اس نے سوچا کہ وہاں جا کر روپے کماؤں گا اور واپس آ کر اپنے بیل اور زمین مہاجن سے واپس لے لوں گا۔ سڑک واپس جاتی ہے میں اور

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

بھی بہت سے ضمنی کردار ہیں جیسے مرغیاں چور فقیر، مداری کرنے والا خانہ بدوش، بھینسوں والے وغیرہ وغیرہ جنگلی مرغیاں چوری کرنے والے کی مدد کرتا ہے اور جب چور پکڑا جاتا ہے تو لوگوں کے شور اور ڈر اور مار پیٹ سے بچنے کے لیے ایک کھڑے ٹرک کے پیچھے سوار ہو جاتا ہے۔ لوگ اس کو تلاش کرتے رہتے ہیں لیکن جنگلی نہیں ملتا اور پوپلے منہ والی بوڑھی فقیر اس کو چور گردانتی ہے اور پھر اسے پولیس کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ جنگلی جب ٹرک کے اندر روئی کے گٹھوں کے اندر چھپتا ہے تو اسے وہاں ترنا چھپی ہوئی نظر آتی ہے۔

جنگلی ترنا سے پوچھتا ہے کہ وہ کہاں جا رہی ہے تو ترنا کہتی ہے کہ میرے والد نے مجھے ایک بڑے نمبردار کے ہاتھوں ساڑھے سات سو روپے میں بیچ دیا ہے۔ میں اس سے بچنے کے لیے اپنی چچی کے ہاں جا رہی ہوں۔ جنگلی نے ترنا سے کہا کہ وہ اپنے بیلوں کو مہاجن سے چھڑانے کے لیے شہر مزدوری کرنے جا رہا ہے۔ ترنا کی چچی کا جب گاؤں آتا ہے توہ روئی کے گٹھوں سے باہر نکلنے لگتی ہے تو کیا دیکھتی ہے کہ اس کا باپ چچی، نمبردار، پولیس انسپکٹر اور سپاہی پہلے ہی وہاں کھڑے ہیں۔وہ سہم کر پھر اس جگہ بیٹھ جاتی ہے سپاہی سارے ٹرک میں لوہے کی سلاخ ڈال کر تلاشی لیتا ہے اور انسپکٹر سے کہتا ہے کہ ٹرک میں کچھ بھی نہیں ہے۔ترنا کو بڑی مایوسی ہوتی ہے اور وہ جنگلی کے ساتھ بمبئی کی طرف روانہ ہو جاتی ہے۔

مہادیو اور بختیار کو چلتے ٹرک میں سے کچھ شبہ سا ہونے لگتا ہے اور جب وہ ٹرک کو ایک طرف کھڑا کر کے اس کی تلاشی لیتے ہین تو وہاں سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی نکلتی ہے۔ بختیار جنگلی سے کہتا ہے کہ وہ دونوں لڑتے ہیں جو زخمی ہو گیا وہ اس لڑکی کی خواہش چھوڑ کر لڑکی دوسرے کے حوالے کر دے گا، جنگلی اور کلینر بختیار کے درمیان لڑائی ہوتی ہے اور آخر کار بختیار زخمی ہو کر کہنے لگتا ہے کہ میں ہار گیا ترنا تمھاری ہے۔ ڈرائیور اور کلینر ترنا اور جنگلی کو بمبئی میں چھوڑ دیتے ہیں۔ جنگلی اور ترنا محنت مزدوری کرتے رہتے ہیں اور کچھ عرصے کے بعد واپس اپنے گاؤں آنے لگتے ہیں کیونکہ جنگلی کے پاس اپنے بیل اور زمین مہاجن سے واپس لینے کی رقم جمع ہو جاتی ہے۔"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے اس کی ضرورت نہیں ہے مجھے بیلوں کی ضرورت نہیں ہے مجھے تمہاری جان کی ضرورت ہے راجو۔۔۔ مجھے تمہاری زندگی چاہیے بے شرم تم بھی میرے سب کچھ ہو۔۔۔کیوں منہ سے کہلواتے ہو۔۔۔تم مجھے ہل کے آگے جوت لینا مگر بھگوان کیلئے یوں اپنی جان مت دو کل ہی ایک آدمی گر کر۔۔۔"(۴۱)

واپسی پر بمبئی میں پھر وہی مہادیو اور بختیار کو مل جاتے ہیں جو بمبئی سے واپس آ رہے ہوتے ہیں۔ بمبئی میں ترنا اور جنگلی کے دوست احباب انھیں بمبئی میں رہنے کیلئے بڑا سمجھاتے ہیں لیکن وہ اسی ٹرک پر بیٹھ کر اپنے گاؤں (جہاں جنگلی کے دو بیل اور زمین مہاجن کے قبضے میں تھی) واپس آ جاتے ہیں۔دکھی دلوں کیلئے دنیا میں رونے کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا اور انسان جب زخموں سے نڈھال ہو کر چور ہو جائے تو وہ بے اختیاررونے لگتا ہے اور ان زخموں پر آنسووں کا مرہم لگاتا ہے۔

ہم نے قیامِ پاکستان کے بعد اردو زبان و ادب میں دیہات کی پیشکش کے سلسلے میں لکھے جانے والے ناولوں کا جائزہ پیش کیا ہے جس سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اردو ناول میں جس روایت کا آغاز پریم چند نے کیا تھا۔ اسے اس کے جانشینوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ آگے بڑھایاہے۔ اگرچہ اردو ناول 1947ء سے 1960ء کے کل سرمائے میں دیہی معاشرت پر لکھے جانے والے ناولوں کا حجم بہت کم بنتا ہے، تاہم اس بات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان ناولوں میں برصغیر کے سو سوا سو سالہ تاریخ کے ہر باب کو سمو دیا گیا ہے۔ پریم چند نے اپنے ناولوں میں صرف ہندو دیہاتی زندگی اور معاشرت کو پیش

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کیا ہے جبکہ بعد میں آنے والے ناول نگاروں نے ہندو، سکھ اور مسلمان سبھی کی دیہی معاشرت کو پیش کیا ہے، قیامِ پاکستان کے بعد لکھے جانے والے ناولوں میں پریم چند کے موضوعات کے ساتھ ساتھ اور بہت سے دیہی موضوعات تلاش کیے گئے ہیں۔

دیہی معاشرت کا زیادہ تر دارومدار چونکہ زراعت پر ہوتا ہے اس لیے دیہی معاشرت میں کسان یا کاشتکار کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ ان ناولوں میں کسان کے کردار کی جو مشترکہ خصوصیات سامنے آتی ہیں وہ یہ ہیں کہ کسان بڑا غیرت مند اور حمیت پسند ہوتا ہے۔ اسے اپنی زمین اور فصلوں سے بڑا پیار ہوتا ہے کیونکہ یہی زمین اور کھیت معاشرے میں اس کی عزت کا باعث بنتے ہیں کسان اکثر جاگیردارانہ استحصال کا شکار ہوتا ہے۔ مختلف ناول نگاروں کے سامنے کسان کی مختلف خصوصیات نمایاں ہو کر آتی ہیں۔ پریم چند کا کسان پسے ہوئے طبقے سے تعلق رکھتا ہے جس کا یہ دھرم ہے کہ زمیندار اور ساہوکار اس کے دیوتا ہیں اور وہ ان کی سیوا کے لیے پیدا ہوا ہے۔ کرشن چندر کے کسان میں بیداری کی لہر پیدا ہو چکی ہے اور وہ اپنے حقوق کے لیے بہتر طور پر جدوجہد کرتا ہے۔ امرتا پریتم کا کسان بڑا محنتی ہے اور وہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہے اسے اپنی عزت اور خاندان کی ساکھ بڑی پیاری ہوتی ہے جس کے لیے وہ ہر قسم کی قربانی دینے کے لیے تیار ہے۔ غلام عباس کا کسان خوشی اور غم کے درمیان زندگی بسر کر رہا ہے اس لیے وہ کہیں مایوس نظر نہیں آتا تاہم تکالیف اور مشکلات اسے تھوڑی دیر کے لیے اداس اور غمگین ضرور کر دیتی ہیں لیکن وہ جانتا ہے کہ شادی و غم زندگی کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور اصل چیز زندگی ہے جس کے دھارے میں وہ بہتا چلا جاتا ہے اور ہمیشہ بہتری کی امید کرتا ہے۔

ان ناولوں میں دیہی علاقوں میں زمینداروں کے کردار کو بھی بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ تمام ناول نگاروں نے تقریباً جاگیرداروں کی خصوصیات ایک جیسی بتائی ہیں۔ یہ زمین کے ساتھ ساتھ اس پر محنت کرنے والے لوگوں کو بھی اپنی ملکیت سمجھتے ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ غیر انسانی اور غیر اخلاقی سلوک کرنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اپنی زمینوں پر کام کرنے والوں کو اپنا بیل گھوڑا سمجھتے ہیں اور جنھیں وہ ایک وقت کا "چارہ" ڈالنا بھی پسند نہیں کرتے۔اس کے علاوہ یہ زمیندار عیاش اور بے راہ رو ہوتے ہیں دوسروں کی عزت سے کھیلنا اور ان کی پگڑی اچھالنا ان کی فطرتِ ثانیہ ہوتی ہے۔ ان کے چہروں پر سرخی اور شان و شوکت غریبوں کا خون چوسنے کی بدولت ہوتی ہے۔

دیہی زندگی پر موسمی تغیرات اور طبعی حالات کو بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔ اردو ناولوں میں دیہی معاشرت میں عورت کے مقام پر بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے، ہندوستان میں عورت صدیوں سے مرد کے ظلم کا نشانہ بنی ہوئی ہے اور آج کے زمانے میں بھی مردوں کا معاشرہ عورت کو اس کا مقام دیتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔ اردو کے اکثر ناول نگاروں نے دیہی معاشرت میں عورت پر ہونے والے ظلم وبربریت کے ساتھ ساتھ اس کے بدلتے ہوئے مقام کو پیش کیا ہے، اردو ناولوں میں دیہی علاقوں میں شاملاتِ دیہہ اور تکیوں کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ تکیوں کے موضوع پر ایک مکمل ناول غلام عباس نے "گوندنی والا تکیہ" کے نام سے تحریر کیا، جس میں انھوں نے تکیوں کے ماحول کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے تکیوں کے ختم ہونے کے اسباب اور اس کی وجہ سے دیہی زندگی پر مرتب ہونے والے اثرات کو بھی پیش کیا ہے۔

"دیہی معاشرت میں پنچایتیں ایک اہم سماجی ا ور سیاسی ادارے کی حیثیت رکھتی ہیں اس لیے دیہی معاشرت پر لکھے جانے والے بہت سے ناولوں میں ان پنچایتوں اور دیہاتیوں کی زندگی میں ان کے عمل دخل کو پیش کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان پنچایتوں کے ذریعے گاؤں کے چودھری، زمیندار اور ساہوکار غریب کسانوں کامعاشرتی اور معاشی استحصال کرتے ہیں، پنچایتوں کے بعض فیصلے دیہی لوگوں کی بہتری کا باعث بنتے ہیں جیسے

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

گوندنی والے تکیہ میں مہتاب بی بی کے رشتے کا جھگڑے کا فیصلہ کیا اور ایک چادر میلی سی میں رانو اور اس کے بچوں کی کفالت اور تحفظ دینے کا فیصلہ وغیرہ۔ فضل کریم احمد فضلی نے جنگ عظیم دوم کی وجہ سے پیدا ہونے والے اثرات کو بڑی خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ فضلی نے جنگ کے دوران بنگال میں پیدا ہونے والے قحط سے دیہی لوگوں کی زندگیوں پر مرتب ہونے والے اثرات کو بیان کیا ہے۔ دیہی لوگوں کی زندگی میں مویشیوں کو بڑا مقام حاصل ہے، ماضی میں جب ہل پنجالی سے کاشت کاری کی جاتی تھی تو کاشت کاری کے عمل کا سارا انحصار بیلوں کی جوڑی پر ہوتا تھا اس لیے کسان کو اپنے بیلوں کی جوڑی بڑی عزیز ہوتی تھی اور ویسے بھی زیادہ مویشی دیہی معاشرت میں عزت و وقار کا باعث سمجھے جاتے۔ قیام پاکستان کے بعد لکھے جانے والے ناول ایک چار میلی سی میں سکھوں کی دیہی معاشرت کو بھی پیش کیا گیا ہے، شہر ہوئے دیوانے، پندرہ اگست، رقصِ ابلیس، یا خدا وغیرہ میں بھی سکھوں کے ظلم و ستم اور دیہی حالات کو پیش کیا گیا ہے۔امرتا پریتم نے پنجر میں بڑی عمدگی کے ساتھ دیہی معاشرت پر ہونے والے مہاجن اور ساہوکار کے اثرات کو پیش کیا ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اردو ناول میں دیہی معاشرت کے خدوخال کو مناسب تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے جس سے تقریباً تمام پہلوؤں کی بھرپور عکاسی ہو جاتی ہے موضوع کی ابتداء میں ہم نے اردو زبان کے اثرات، دیہی ماحول، ثقافت کا اثر اور دیہی معاشرت کے خدوخال کو پیش کیا ہے۔ دیہی زندگی میں تمام برائیاں تعلیم کی کمی کی وجہ سے ہیں ہمارے ملک میں تعلیمی فقدان کے ذمہ دار زمیندار، وڈیرے اور جاگیردار اور سرمایہ دار لوگ ہیں، زمینداروں کو ہمیشہ یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اگر لوگ پڑھ لکھ گئے تو ان کے کھیتوں میں ہل کون چلائے گا۔ ان کی جاگیروں کی دیکھ بھال کون کرے گا ان کے ہزاروں ایکڑ پر محیط باغات کو پانی کون لگائے گا۔ ان کے بڑے بڑے کارخانوں میں کولہو کا بیل کون بنے گا۔ ان کے حقے کو تازہ کون کرے گا، ان کے گھریلو کام کاج کون کرے گا۔ ان کے لیے ڈرائیور، مالی اور باورچی کہاں سے ٹپکیں گے۔ان وڈیروں کی نازک اندام بیگمات کے پاؤں دبانے کے لیے خادمیں کس کھیت میں اگیں گی، اس مراعات یافتہ طبقے کو اندر ہی اندر یہ غم ستا تا رہتا ہے کہ اگر لوگ پڑھ لکھ گئے تو ان میں شعور پیدا ہو جائے گا۔ہمیں اپنے نفع نقصان کا ادراک حاصل ہو جائے گا ان کی سوچ غلامانہ ذہنیت کے اندھیروں سے نکل کر اپنے مفادات کی باتیں کرنا شروع کر دے گی۔

1947ء تا 1960ء کے عرصے میں دیہی معاشرت جن تبدیلیوں سے دو چار رہی ان تبدیلیوں کا مکمل جائزہ پیش کر دیا گیا ہے تاہم دیہی معاشرے کی خامیوں اور بے اعتدالیوں کے بارے میں بھی ہمدردانہ شعور اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہمارا ادیب دیہی ماحول کو پیش کرنے میں کوتاہی سے کام لے رہا ہے جبکہ زیادہ تر ناول نگار شہری حالات و واقعات کو اپنے ناولوں کی زینت بنائے ہوئے ہیں۔ اگر وقت کے ادباء حضرات نے اس طرف توجہ نہ دی تو اردو ناول سے دیہی کلچر کی عکاسی بالکل معدوم ہو جائے گی تاہم یہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ جب تک لہلہاتی کھیتیاں اور سرسبز باغات ہیں ادباء کرام ان کی طرف بھی توجہ کرتے رہیں گے اور دیہی ثقافت پروان چڑھتی رہے گی اور اردو ناولوں میں دیہاتی معاشرت کی عکاسی ہوتی رہے گی۔

Vol.5 No.1 2022
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

(حوالہ جات)

۱۔فضل احمد کریم فضلی، خون جگر ہونے تک،صفحہ نمبر4،کراچی،دبستان محدود،1960

۲۔ایضاصفحہ نمبر240

۳۔امرتا پریتم، پنجر،صفحہ نمبر5،نئی دھلی،سمانت پرکاش،2004

۴۔راجندر سنگھ بیدی، ایک چادر میلی سی، صفحہ نمبر76،دھلی، سٹار پبلیکیشنز،1964

۵۔ایضاصفحہ نمبر49

۶۔ایم اسلم، رقص ابلیس، صفحہ نمبر181،لاہور،دارالبلاغ،1948

۷۔قدرت اللہ شہاب، یاخدا،صفحہ نمبر79، لاہور، سنگ میل پبلیکیشن،2014

۸۔کرشن چندر، غدار،صفحہ نمبر28، نئی دھلی، اراولی پبلیشرز،2005

۹۔ایضاصفحہ نمبر37

۱۰۔ایضاصفحہ نمبر41

۱۱۔نثار دانش، مولف، اردو ناول کی روایت،صفحہ نمبر244،لاہور، ورلڈویو پبلیشرز،2022

۱۲۔کرشن چندر، غدار،صفحہ نمبر151، لاہور، نیاادارہ،1960

۱۳۔عظیم بیگ چغتائی، کمزوری، صفحہ نمبر94، لاہور، اردو مرکز،1952

۱۴۔کرشن چندر، سڑک واپس جاتی ہے،صفحہ نمبر433، کراچی ، مکتبہ افکار، س ن